تمہاری باتیں

سوز

کتاب انسان کی بہترین دوست ہے

مکتبہ ماحول

آپ کے لئے معیاری حیات افروز اور

خوبصورت کتابیں شائع کرتا ہے

تمہاری باتیں

(غزلیں)

ع۔ م۔ سوز
(ایم۔ اے)

مکتبۂ ماحول
۹۔ بہادر شاہ مارکیٹ۔ بندر روڈ کراچی

ناشر:۔ انور عارف، مالک مکتبہ ماحول کراچی
طابع: مشہور آفسٹ پریس کراچی

پہلی بار — اپریل ۱۹۶۳ء
قیمت — [illegible]

ترتیب

اغلاط کی تصحیح درج ذیل ہے

صفحہ نمبر	تصحیح
۱۲	— مجھے فکر ہستی نے سوز آ لیا ۔
۲۱	— کلیوں نے پھر گھونگھٹ کھولا پھولوں نے کی چاک قبا
۲۸	— یہ سمجھ کر کہ جفاؤں میں مزا پاتا ہے
۳۱	— کہ اب انسان ارزاں ہو گئے ہیں
۶۰	— اڑے اڑے سے چاند کے رخ پر جمی ہوئی ویراں آنکھیں
۷۶	— کچھ اس طرح سے ترے سنگ در کو دیکھتے ہیں
۸۵	— پھر کئی دل میں ہمسفر ابھرے
۹۱	— ایک تیز ٹیس سینہ دل میں اٹھی تو ہے
۹۳	— مرنے والوں ہی سے ہے اے زندگی تیرا وقار
۹۶	— مت مٹا خاکسار ہم جیسے
۱۱۴	— سوز سہمی سی کھڑی ہے فصل گل مینا بدوش
۱۱۵	— جاگے نصیب پیرہن تار تار کے

نوٹ :- اکثر نون غنہ میں نقطہ ڈالا گیا ہے اور معطوفہ اور موصوفہ مرکبات میں بیشتر جگہ زیر نہیں ڈالی گئی ۔

ع - م - سوز

ہر غزل میں تمہاری باتیں ہیں
میرا دیوان بن گئے ہو تم

عشق کی آن بن گئے ہو تم
میرا ایمان بن گئے ہو تم

اب جُدا موت ہی کرے تو کرے
اب مری جان بن گئے ہو تم

میری برباد زندگانی کے
سر و سامان بن گئے ہو تم

ہر غزل میں تمہاری باتیں ہیں
میرا دیوان بن گئے ہو تم

سوزؔ کو واقفِ وفا کر کے
آپ انجان بن گئے ہو تم

کبھی چاندنی رات یاد آگئی
کبھی بیتی برسات یاد آگئی

کہیں چلتے چلتے نظر پڑ گئے
پرانی ملاقات یاد آ گئی!

چھلکنے لگا ساغرِ چشمِ نم
کوئی پیار کی بات یاد آگئی

بہار آئی داغِ جگر کھل اُٹھا
محبت کی سوغات یاد آگئی
ستاروں کی جھلمل میں جی کھو گیا
کسی رات کی بات یاد آگئی

مجھے فکرِ ہستی نے سوز آ لیا
بھلائی ہوئی بات یاد آگئی

چھیڑ کوئی دلدار کی بات
میرے مہنگے پیار کی بات

جانے کب چُپ ہو جائے
سُن لیجے بیمار کی بات

ایک نصیحت سے بڑھ کر
کیا ہو گی غمخوار کی بات

دل کو دلاسا دیجے گا
پھر کیجے آزار کی بات !

ہونٹوں تک محدود رہے
اُس کے لب و رخسار کی بات

سوزؔ اپنی کہنے آئے
سنتے رہے اغیار کی بات

تیری ہر بات یاد کرتا ہوں
تجھے دن رات یاد کرتا ہوں

تم کبھی کے بھلا چکے ہو جسے
میں وہ ہر بات یاد کرتا ہوں

اشک آنکھوں میں تیر جاتے ہیں
جب وہ برسات یاد کرتا ہوں

وقت کی جیت یاد آتی ہے
عشق کی مات یاد کرتا ہوں

بزمِ انجم میں چاند سے اپنی
اک ملاقات یاد کرتا ہوں

زندگی کا ہے اب اِسی پہ مدار
بیتے حالات یاد کرتا ہوں

دل کا لٹنا بھی سوز کیا شے ہے
اکثر اوقات یاد کرتا ہوں

جب تلک یاد نہ آیا کوئی
سوزؔ نے گیت نہ گایا کوئی

دُور سے سب نے تماشا دیکھا
پر مرے پاس نہ آیا کوئی

کون مانے گا کہ دل ایسے گیا
ناگہاں دل میں سمایا کوئی

ہم نے وہ رنگِ بہاراں دیکھا
آشیانہ نہ بنایا کوئی

پِس گئے بارِ گراں کے نیچے
سوزؔ! احسان اُٹھایا کوئی

جیسے خوشیوں میں بھول جائے غم
یاد تم کو کبھی نہ آئے ہم

نہ ہمارا نصیب ہی سنورا
نہ تری کاکلوں کے نکلے خم

رنگ کیا کیا جما خدائی کا
جب مزاجِ بُتاں ہوا برہم

جیسے پت جھڑ کی رُت ٹھہر جائے
ایسے بیتا بہار کا موسم

نہ رہا دل کہ تھا دلِ ہمدرد
غم نصیب اب کسے کہیں ہمدم

اشک آنکھوں میں یوں ہوئے آباد
جیسے غنچوں میں بس رہے شبنم

سوز جب تک جیئے، رہے ہم روتے
جب مرے تو بپا ہوا ماتم!

زندگی میں زندگی بن جائیے
تیرگی میں روشنی بن جائیے

اشک بن بن کر نہ بہیے آنکھ سے
میرے ہونٹوں پر ہنسی بن جائیے

آپ کے غم سے تو اب جی بھر گیا
آئیے! میری خوشی بن جائیے

گیت بن کر میرے لب پر جا گیئے
اور میری شاعری بن جائیے

آپ کا بن کر نہ وہ اپنا بنا
سوز کے اب آپ ہی بن جائیے

مجھ سے میری حیات روٹھ گئی
تم نہیں، کائنات روٹھ گئی

وہ بڑی مشکلوں سے آئی تھی
تم نہ آئے تو رات روٹھ گئی

موت کو موت آ گئی شاید
یا ہماری نجات روٹھ گئی

زندگی غم کا ساتھ دے نہ سکی
دفعتاً بے ثبات روٹھ گئی

سونہ عشرت میں ساتھ تھی دنیا
پہ دمِ مشکلات روٹھ گئی

پھر پپینے کا موسم آیا پھر برساتیں عام ہوئیں
رِم جھِم، رِم جھِم کے دن آئے بھیگی راتیں عام ہوئیں

کلیوں نے پھر گھونگھٹ کھولا، پھولوں نے کی چاک قبا
حسن و محبت کے دن آئے، پیار کی باتیں عام ہوئیں

کہیں شگوفے حسن کے پھوٹے کہیں محبت میں دل ٹوٹے
ان پرکیف فضاؤں میں یہ جیتیں ماتیں، عام ہوئیں

گھِر گھِر کر پھر غم کے بادل چھائے دل کی دنیا پر
آنکھوں سے پھر اشکوں کی سونی برساتیں عام ہوئیں

دِل کی بستی اُجڑ گئی اور یادوں کے پھر نگر بسے
کالی راتیں پھر لوٹ آئیں دِل سے باتیں عام ہوئیں

دن جو بمشکل ڈھلتے ہیں جن راتوں میں غم پلتے ہیں
سوزؔ وہی دن لوٹ آئے پھر ویسی راتیں عام ہوئیں

فریبِ یاس کھا جائیں۔ ستارو! جاگتے رہنا!
جو ہم دھوکے میں آجائیں۔ ستارو! جاگتے رہنا!

شبِ وعدہ، شبِ غم کی طرح کچھ اور رک جائے!
وہ ممکن ہے کہ آجائیں۔ ستارو! جاگتے رہنا!

کہیں ایسا نہ ہو وہ بھی نہ آئیں تم بھی سو جاؤ
اندھیرے پھر نہ چھا جائیں ستارو! جاگتے رہنا!

تمہیں تو یاد ہو گا کس طرح ہم جاگا کرتے تھے
وہ شاید تم سے پا جائیں۔ ستارو! جاگتے رہنا!

شب آخر ہے شاید آج ہم کو نیند آجائے
اگر ہم ڈگمگا جائیں۔ ستارو! جاگتے رہنا!

کبھی تو سوز یاد آئے گا اُن کو وہ بھی جاگیں گے
تمہیں اتنا بتا جائیں۔ ستارو! جاگتے رہنا!

کیا کروں کدھر کو جاؤں کیا ہو بے بسی کا چارا
تیری بے رُخی سے بڑھ کر تیری دلکشی نے مارا

یوں تو بحرِ عشق میں ہے تیری اور میری کشتی
تجھے تیرنا گوارا، مجھے ڈوبنا گوارا

نہ سمجھنا بھول کر بھی کہ عبث ہی لٹ گئے ہم
تیرے غم کے جیتنے میں کیا ہوا جو دل کو ہارا

یہ جنوں کی انتہا ہے اور اگر نہیں تو کیا ہے
ہم اُسی پہ مر مٹے ہیں جسے غم نہیں ہمارا

کیا ہوا جو تُو نے سوزِ غم زدہ کا ساتھ چھوڑا
ابھی ٹوٹ کر گرا ہے میرے بخت کا ستارا

جب طبیعت قفس میں گھبرائی
ہم نے جانا کہ پھر بہار آئی

یاد آؤ نہ بھولنے والو!
مجھ سے چھینو نہ میری تنہائی

خود کو اک اجنبی سا لگتا ہوں
کیا ہوئی آپ سے شناسائی!

ہم نے ہر شخص میں تجھے پایا
ہم سا ہوگا نہ کوئی ہرجائی

پھر مہکنے لگا دیارِ خیال
پھر کسی گلبدن کی یاد آئی

دل میں آوارگی کی خواہش پر
پھر تصوّر میں زُلف لہرائی

سوز جینا پڑا بہر صورت
اُن پہ مرنے کی کیا سزا پائی!

دل غمِ عشق کے اظہار سے کتراتا ہے
آہ! غمخوار کہ غمخوار سے کتراتا ہے

یہ سمجھ کر کے جفاؤں میں مزا پاتا ہے
وہ ستمگر مرے آزار سے کتراتا ہے

ہو گیا اس پہ بھی کچھ اُس کی شکایت کا اثر
اب مسیحا بھی جو بیمار سے کتراتا ہے

ہو رہا ہے مجھے تکمیلِ محبت کا گماں
عشق اب حسن کے دیدار سے کتراتا ہے

دل پہ وہ غم خوشیوں سے یوں جاتا ہے
شوزر اک بال جواں اغیار سے کتراتا ہے

ہر مسرت سے کنارا کر لیا
ہم نے تیرا غم گوارا کر لیا

چھٹ گئی کچھ شامِ غم کی تیرگی
اشک جو ابھرا ستارا کر لیا

آنکھ کھلتی ہی نہیں ہے جس طرح
ان کا سوتے میں نظارا کر لیا

لطف فرمایا نگاہِ ناز نے
اپنے بس میں دل ہمارا کر لیا

میرے غمخوارو! تمہارا شکریہ
میں نے اپنے غم کا چارا کر لیا

شب کی تنہائی سے جب گھبرا گئے
پھر یقین ہم نے تمہارا کر لیا

سر پہ طوفان نے اٹھایا ہے اُسے
جس نے ساحل سے کنارا کر لیا

دشمنی میں جھک گئی اُس کی کمر
آسمان نے کیا ہمارا کر لیا

بن سہارے ڈوبنا مشکل تھا سوزؔ
ناخداؤں کو سہارا کر لیا

سکونِ دل کے سامان ہو گئے ہیں
ترے گیسو پریشان ہو گئے ہیں

گرانی ان کی اتنی بڑھ گئی ہے
کہ اب انسان ارضاں ہو گئے ہیں

کوئی آنکھوں میں جب سے بس گیا ہے
یہ ویرانے گلستان ہو گئے ہیں

ہمیں اب خود پہ رشک آنے لگا ہے
کہ ہم تصویرِ جاناں ہو گئے ہیں

مرے جذبِ نظر بن کر نظر سے
عجب کیا آپ پنہاں ہو گئے ہیں

تجھے مغموم پا کر سوزؔ امشب
تری خاطر غزل خواں ہو گئے ہیں

تمہاری دید کی راہیں تلاش کرتی ہیں
تمہیں اُداس نگاہیں تلاش کرتی ہیں

اب اُن کی آنکھ کھلی ہے کہ جب وہ دل نہ رہا
جسے اب ان کی نگاہیں تلاش کرتی ہیں

وہ جس کو لوٹ لیا تھا کبھی محبت نے
اب اُس شباب کو آہیں تلاش کرتی ہیں

میں وہ مسافرِ راہِ وفا ہوں اب جس کو
تمہارے شہر کی راہیں تلاش کرتی ہیں

تلاشِ راہ میں کچھ راہ بھول جاتے ہیں
کچھ ایسے ہیں جنہیں راہیں تلاش کرتی ہیں

شبِ فراق تصور میں مجھ کو سوز اکثر
کسی کی مرمریں باہیں تلاش کرتی ہیں

آج کیوں چپ ہیں تیرے سودائی
ہوش آیا انہیں کہ موت آئی

اپنے ارمان آپ کے وعدے
ان کھلونوں سے عمر بہلائی

پینے والوں کی خیر ہو یا رب!
تیری رحمت ہوئی گھٹا چھائی

فکرِ سود و زیاں کی نذر ہوئے
وہ غمِ عاشقی وہ رسوائی

جستجو کی ہوئی تو یوں تکمیل
زندگی موت کی خبر لائی

سو تو جینے کی آرزو میں ہم
بن گئے موت کے تمنائی

سر مستیٔ بہار کی باتیں نہ کیجیے
ایّامِ سازگار کی باتیں نہ کیجیے

پھر چھیڑیئے نہ ذکرِ شبِ ماہتاب وے
میرے دلِ فگار کی باتیں نہ کیجیے

سو بار سن چکا ہوں میں ایسی کہانیاں
مجھ سے وصالِ یار کی باتیں نہ کیجیے

سچ جان لیں تو آپ بُرا مان جائینگے
مجھ سر پھرے سے پیار کی باتیں نہ کیجیے

اب میری آرزو کا نہ مدفن اکھیڑیے
اب اور انتظار کی باتیں نہ کیجیے

میں خوب جانتا ہوں انہیں آپ کے طفیل
آلامِ روزگار کی باتیں نہ کیجیے

اک محفلِ نشاط میں بے جا ہے ذکرِ سوز
اُس چشمِ اشکبار کی باتیں نہ کیجیے

تکمیلِ ضبط کے لئے ہم کیا نہ کرینگے
مرنے پہ بھی مرنے کی تمنّا نہ کریں گے

ہم یوں نگاہِ شوق کو رسوا نہ کریں گے
موسیٰ کی طرح تجھ سے تقاضا نہ کریں گے

تم شامِ غریباں پہ جو گیسو بکھیر دو
ہم صبحِ درخشاں کی تمنّا نہ کریں گے

توبہ شکستِ توبہ کا احساس ہی تو ہے
ٹوٹی ہے اس طرح کہ دوبارہ نہ کریں گے

دو دن کی زندگی پہ قناعت کرینگے سوئے
ہم خضر کی صورت اسے رسوا نہ کریں گے

گو سدا ایک سا نہیں گزرا
وقت اپنا بُرا نہیں گزرا

جیسے گزرا تھا وقت تیرے ساتھ
تجھ سے ہو کر جُدا نہیں گزرا

ایک عالم نظر سے گزرا ہے
ایک بھی آپ سا نہیں گزرا

دل شکن حادثۂ عشق کے بعد
پھر کوئی حادثہ نہیں گزرا

اب نظر سے وہ انتخابِ نظر
ایک عرصہ ہوا نہیں گزرا

سوزِ لب کا گزر چکا لیکن
سوزِ رنگین نوا نہیں گزرا

وہ اگر ہمارے ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی
ہم اُنہیں جو پیارے ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

ترے عارضوں کی صبحیں ترے گیسوؤں کی شامیں
یہ سدا نظارے ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

وہ اداؤں کے ترانے وہ لبوں کے بادہ خانے
جو مرے سہارے ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

کبھی سنگ دل زمانے کے فریب ہیں ہم آ کر
جو یہ دل نہ ہارے ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

گو ہزار رنج سہیے کبھی سوزِ دل نہ کہیے
وہ اگر ہمارے ہوتے تو کچھ اور بات ہوتی

جمعیتِ دل کا کوئی ساماں نہیں دیکھا
رُخ پر تری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا

بُت میں بھی اُسے جلوۂ جاناں نظر آیا
کافر سا کوئی صاحبِ ایماں نہیں دیکھا

جذبہ اس میں ہیں کچھ اشکِ ندامت کے بھی گوہر
زاہد نے مرا دامنِ عصیاں نہیں دیکھا

تو نے شبِ ہجراں میں اجالے نہیں دیکھے
پلکوں پہ ستاروں کو درخشاں نہیں دیکھا

جس دن سے ہوا گردشِ ساغر میں گرفتار
میں نے ستمِ گردشِ دوراں نہیں دیکھا

لوگ ہنستے ہیں رلانے کے لئے
اور ہم آنسو چھپانے کے لئے

اپنے دل کو آزمائش میں نہ ڈال
بے دلوں کو آزمانے کے لئے

زندگی بھر موت سرگرداں پھری
ایک نازک سے بہانے کے لئے

بجلیوں کا خیر مقدم ہی سہی
کچھ تو ہے اک گھر بنانے کیلئے

جی رہے تھے ناگہاں موت آ گئی
تیرے خوابوں سے جگانے کے لئے

آپ کے رنگین ہونٹوں سے مجھے
چاہیئے سرخی فسانے کے لئے

تو جو آباد ہے اے دوست مرے دل کے قریب
میری منزل بھی ہے گویا تری منزل کے قریب

ڈوب جاتے ہیں تلاطم میں سفینے اکثر
ڈوبنا اور ہی کچھ بات ہے ساحل کے قریب

اٹھ گیا دورئ منزل کی تھکن کا احساس
راہ کچھ اور کٹھن ہو گئی منزل کے قریب

موت ہر بار رہائی میں مری مانع ہوئی
لے گئی زیست تو اکثر مجھے قاتل کے قریب

سوزِ خود اُن کی خلش رشکِ مسیحائی ہے
زخم ایسے بھی شگفتہ ہیں مرے دل کے قریب

ایک تصویرِ آہ و زاری ہے
ہائے! کیا زندگی ہماری ہے

دل کو عرصہ ہوا کہ تم پہ مٹا
دوستو! اب ہماری باری ہے

ایک ہم ہیں ستم اٹھانے کو
اک جہاں ہے، ستم شعاری ہے

گلشنِ حسن کے تخیّل میں
ایک جوئے سرشک جاری ہے

ڈگمگا کر ان کے لڑکھڑاتے ہیں
بن پیئے اک نشہ سا طاری ہے

اپنے غم کا بھی عکس کھینچا ہے
ان کی تصویر بھی اتاری ہے

سوز! ورنہ کہاں کے شاعر ہیں
سوز! کیا شاعری ہماری ہے

عوض کب وفا کا وفا مانگتے ہیں
سلامت رہو، یہ دعا مانگتے ہیں

صدائے فقیر اور کیا ہو گی، ظالم!
خدا سے ترا ہم بھلا مانگتے ہیں

یہ چھُپ چھُپ کے شام و سحر رونے والے
یہ کیا چاہتے ہیں یہ کیا مانگتے ہیں!

مٹا دے ہمیں اے محبّت مٹانے
ہم اپنے کیے کی سزا مانگتے ہیں

کرم کر، نہ جا ہم فقیروں کی خو پر
فقیروں کا کیا ہے سدا مانگتے ہیں

یونہی بن گیا سوز دشمن زمانہ
کہ ہم کب کسی کا بُرا مانگتے ہیں

وہ جنہیں زندگی نہ راس آئی
موت بھی تو نہ اُن کے پاس آئی

اپنا ہر دن اُداس اُداس گیا
اپنی ہر شب اُداس اُداس آئی

جو بھی غم آیا بے زبان آیا
جو خوشی آئی محوِ یاس آئی

دوستی کا بھرم کھلا آخر
دشمنوں سے ہوئی شناسائی

وہ چلے آئے ہیں کہ موسمِ گل
سوز پھولوں سے اُن کی باس آئی

وقت اب سر پہ وہ آیا ہے کہ سر یاد نہیں
تیرے دیوانوں کو بھی اب ترا در یاد نہیں

ہائے وہ شب جو ترے وعدۂ شب میں گزری
ہائے وہ شب ہے کہ جس شب کی سحر یاد نہیں

زندگی کیسے کٹی داورِ محشر یہ نہ پوچھ
وہ سفر یاد تو ہے رختِ سفر یاد نہیں

میرے اعمال پہ جائے تو یہ سمجھوں گا تجھے
یاد ہے دامنِ تر، دیدۂ تر یاد نہیں

پیار سے اب بھی وہ تکتے ہیں مجھے پر اُنکو
جس نے دل لوٹ لیا تھا وہ نظر یاد نہیں

عمر بھر تھام کے اس شوخ کا دامن رویٔے
سوزؔ کیا اُس پہ ہوا اس کا اثر یاد نہیں

جو کم ظرف رنج و الم دیکھتے ہیں
زیادہ دکھاتے ہیں کم دیکھتے ہیں

اٹھاتے نہیں ہر کسی کے ستم ہم
مگر یہ کہ ذوقِ ستم دیکھتے ہیں

کئے رہبرِ دل نے وہ احساں کہ راہی
اب اپنا ہی نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بڑے زندہ دل ہیں مگر احتیاطاً
خوشی کو بہ اندازِ غم دیکھتے ہیں

نظر اتفاقاً ہی ملتی ہے، ورنہ
نہ تم دیکھتے ہو، نہ ہم دیکھتے ہیں

سوا تیرے دیتا نہیں کچھ دکھائی
جب اپنا وجود و عدم دیکھتے ہیں

ہمیں تو ز کیا دخلِ مشقِ سخن میں
تخیل کا زورِ قلم دیکھتے ہیں

جو لینے آئے گی لے گی قضا کیا
ہماری زندگی میں اب رہا کیا

مراسم ہوں تو کچھ دل ہی کے ہونگے
ہمیں اُس بے وفا سے واسطہ کیا

وہی ہم ہیں، وہی آلامِ ہستی
تمہارے ساتھ کیا تم سے جدا کیا

ندامت سے سر اُٹھتا ہی نہیں ہے
فرشتوں نے ہمیں سجدہ کیا کیا

کبھی دل تھا جو اب ویرانہ سا ہے
ہوئی احساس کی دولت عطا کیا

تری زُلفوں کو شاید کچھ خبر ہو
دلِ آوارہ کا مجھ کو پتہ کیا

ستم ہے ان کا معصومی سے کہنا
نہ جانے سوز صاحب کو ہوا کیا

نہ مٹا ہجر کا آزار تو پھر کیا ہو گا
تیرا ملنا ہوا دشوار تو پھر کیا ہو گا

اب تو ہے باد موافق پہ بھروسہ تجھ کو
راہ میں آ گیا منجدھار تو پھر کیا ہو گا

میں بھلا سکتا نہیں تیری محبت لیکن
تو مرا بھول گیا پیار تو پھر کیا ہو گا

دل تصور ہی سے دیوانہ ہوا جاتا ہے
جب ہوا آپ کا دیدار تو پھر کیا ہو گا

پہلے تو اس دِلا سے دیا کرتی تھی ہاسے
اب اگر دیا دِل زار تو پھر کیا ہو گا

سوزِ تاریکیٔ زنداں سے نکل تو آئے
نہ مِلا سایۂ دیوار تو پھر کیا ہو گا

آنکھ سے ہو کے بہہ گیا خوں رات
دل کی حالت ہوئی دگرگوں رات

نہ تھما دردِ دل کسی صورت
آخرش ختم گیا یہ محزون رات

جیسے سچ مچ ہوں میرے پہلو میں
وہ مجھے خواب میں ملے یوں رات

زیست کی مستیاں سموئے ہوئے
دل میں اُتری وہ نگہِ میگوں رات

سامنے آئے ہوں طلوعِ سحر
اور پلٹے تو چھا گئے جوں رات

روشنی تیرگی کی ضد ہے مگر
وہ مرا چاند، اس کی میں ہوں رات

اک طبیعت ہی تھی نہ موزوں تو
ورنہ سوجھے بہت سے مضموں رات

تجھ کو ہمیشہ خوف رہا ظالم اپنی رسوائی کا
کبھی بٹھا کر پاس نہ پوچھا حال اپنے سودائی کا

اُجڑے اُجڑے سے چہرے کہ رُخ پر جمی ہوئیں ویراں آنکھیں
اب تک منظر تازہ ہے آنکھوں میں شبِ تنہائی کا

دنیا والے داناؤں کو دیوانے بھی کہتے ہیں
اور کبھی دیوانوں کو دیتے ہیں سبق دانائی کا

نازک پھول بھی گاہے گاہے کانٹے بن کر چبھتے ہیں
کاش کبھی وہ جان سکیں یہ بھید کسی ہرجائی کا

عشق وہ آئینہ ہے جس نے حُسن کو حُسن بنا ڈالا
ہم ہی نے انداز سکھایا آپ کو خود آرائی کا

کہیں بھی ہو نظر آتا ہے پر دل میں صنم مجھکو
خدا نے بخش کر دل دے دیا ہے جامِ جم مجھکو

بڑا ممنونِ منت ہوں ترا، اے گردشِ دوراں
کہ تیری ٹھوکروں نے کر دیا ثابت قدم مجھکو

مری تر دامنی نے مجھ کو وہ تقدیس بخشی ہے
جہاں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں اب دیر و حرم مجھکو

میں خوش کیونکر نہ ہوں آخر غمِ جاناں کے ملنے پر
کہ ساری راحتیں دے کر ملا ہے اسکا غم مجھ کو

نہ چھیڑو تذکرہ اس کی جفاؤں کا مرے آگے
ستمگر کے ابھی تک یاد ہیں لطف و کرم مجھ کو

وہاں سے موجِ کوثر خود مجھے لے جائیگی آکر
درِ میخانہ تک چھوڑ آؤ یارو کم سے کم مجھ کو

ہزاروں زندگی کی اُلجھنوں میں یوں تو اُلجھا تھا
جکڑ ڈالا ہے کسی کے گیسوؤں کے پیچ و خم مجھکو

کیا کہیں، کیا کچھ رہا، کیا کہہ گئے
ہم انہیں بس دیکھتے ہی رہ گئے

راحتیں اُن پر دو عالم کی نثار
تیرے دیوانے جو صدمے سہہ گئے

یاد آئیں اگلی اشک افشانیاں
اور دو تو مُسکرا کر رہ گئے

حالتِ دل سب پہ واضح ہو گئی
بے ارادہ چند آنسو بہہ گئے

سوچتے ہیں ہر دفعہ مل کر اُنہیں
اُن سے کیا کہنا تھا اور کیا کہہ گئے

معذرت خواہ ہیں کہ مے کے باب میں
ہم نشے میں جانے کیا کچھ کہہ گئے

اپنا سر پیٹا کرے گی زندگی
اور مجھے رویا کرے گی زندگی

موت آنے تک گریزاں مجھ سے ہے
پھر مجھے ڈھونڈا کرے گی زندگی

مر کے بھی جینے نہ دیگی ہائے! ہائے!
حشر اک برپا کرے گی زندگی

تم نہ آؤ گے تو بن جائے گی موت
اپنا راز افشا کرے گی زندگی

ہم تو اُبھریں گے فنا ہونے کے بعد
کیا ہمیں اُونچا کرے گی زندگی

چشمۂ آبِ حیات افسانہ ہے
ہم سے کیا دھوکا کرے گی زندگی

ہم مسافر ہیں بہت ہی دُور کے
اپنا کیا پیچھا کرے گی زندگی

غمؔ سے رہرو نہیں ہیں سوزؔ ہم
جو ہمیں رسوا کرے گی زندگی

وہ تو بات دُور کی ہے تیرے کان تک نہ پہنچا
میرا حالِ زار میری کبھی زبان تک نہ پہنچا

وہ یقین سے چلے تھے جو تمہارے پاس پہنچے
وہ کہاں پہنچ سکے گا جو گمان تک نہ پہنچا

بخزانۂ غمِ دل یوں گئے ہیں سوئے منزل
کوئی راہزن ہمارے تو نشان تک نہ پہنچا

یہ عظیم حادثہ ہے کہ ہماری زندگی میں
ہوئے حادثے ہزاروں کوئی جان تک نہ پہنچا

گو فلک کی گردشوں نے تو دراز دستیاں کیں
کبھی ہاتھ ان کا لیکن میری آن تک نہ پہنچا

میں وہ سرِ وفا ہوں کہ کبھی نہ دل میں آیا
میرا سوز کیا بنے گا جو اماں تک نہ پہنچا

وہ بھی ایک زمانہ دیکھا یہ بھی ایک زمانہ ہے
کل تک بیگانہ اپنا تھا آج اپنا بیگانہ ہے

ایک مسلسل دھڑکن ہے بے چینی ہے بیتابی ہے
دل کس کا سودائی ہے یہ دل کس کا دیوانہ ہے

میری بربادی غمخوارو! کوئی انوکھی بات نہیں
برق تپاں کی زد میں اپنا برسوں سے کاشانہ ہے

کعبہ میں بھی جا کر آخر سر کو نگوں ہی کرنا ہے
آؤ! وہیں سجدہ کر لیں گے ساتھ ہی اک میخانہ ہے

جوشِ نمو یا فرطِ جنوں سے چاک قبا ہے پھولوں کی
موسمِ گل ہے عالمِ وحشت ہے کہ چمن ویرانہ ہے

شمعِ فروزاں کیا سمجھے محرومیٔ تابش کو اس کی
ایک ستارہ تھا اب جس کی خاکسترِ پروانہ ہے

فطرت کو مقصود ہے رفعت اُفتادہ انسانوں کی
زیست بھی ایک بہانہ تھی اور موت بھی ایک بہانہ ہے

رند جو پینے بیٹھیں گے خود کالی گھٹا چھا جائیگی
موسمِ گُل لوٹ آئیگا کھلنے کو درِ میخانہ ہے

سوچ نہ جانے اس کے ہاتھوں کس کی قسمت پھوٹے گی
آج نشے میں ساقی ہے اور گردش میں پیمانہ ہے

آنا جانا ہے ہمیں کچھ اعتبار اس شوخ کا
لطف اب دینے لگا ہے انتظار اس شوخ کا

میں تو مانوں گا کہ اس کی شوخیاں ہیں بے سبب
دِل یقیناً کچھ نہ کچھ ہے بیقرار اُس شوخ کا

دل بھی ہے مجبور اپنا دل سے ہیں مجبور ہم
گویا ہم پہ ہے مکرر اختیار اُس شوخ کا

تو بھی آتی ہے تو آتی ہے دِکھانے سبز باغ
تجھ پہ بھی سایہ پڑا ہے اے بہار! اس شوخ کا؟

اس غزل کے مصرع مصرع سے ٹپکتا ہے سُرور
اِس کے ہر مصرع میں شامل ہے خمار اس شوخ کا

پھول جھڑتے ہیں ہمارے منہ سے بھی جس دم کر سوز
نام آتا ہے زباں پر بار بار اُس شوخ کا

اک زندگی کہ موت کی دنیا میں آ گئی
اک موج تھی جو بحر سے دریا میں آ گئی

پہلے ہر ایک جرعۂ صہبا میں تھی حیات
اب تلخیٔ حیات بھی صہبا میں آ گئی

ویرانۂ خیال میں رات اس طرح وہ آئے
جیسے بہار بھول کے صحرا میں آ گئی

کس منہ سے دل کی بات کہیں اب ترے حضور
جو بھی کہی سو شکوۂ بے جا میں آ گئی

کچھ اُس نظر میں بس گئی سرمستیٔ ازل
اور کچھ پگھل کے ساغر و مینا میں آ گئی

ہم گمرہوں نے سوزِ جہاں رکھ دیا قدم
منزل سمٹ کے نقشِ کفِ پا میں آ گئی

حدیثِ عہدِ گذشتہ ہے ہمنشینوں میں
چھلک رہی ہے شرابِ آج آبگینوں میں

نیازمندیٔ یکتائے حسن کے موجب
ہمارے نام کا چرچا ہے نازنینوں میں

قفس کی تیلیاں ہم پھونکنے کو اے صیاد!
چھپا کے بجلیاں لائے ہیں اپنے سینوں میں

ہے خود فریبیٔ زاہد کی منتہا، یعنی
زباں پہ نامِ خدا، بت ہیں آستینوں میں

بپا ہے عشق کا طوفان بحرِ ہستی میں
ہیں محوِ خواب مگر ناخدا سفینوں میں

وہ سوز آج سمائے ہوئے ہیں سانسوں میں
کبھی خیال میں آتے تھے جو مہینوں میں

یوں بیاں ہم نے حالِ زار کیا
دشمنوں کو بھی اشکبار کیا

رنگ لایا ہمارا حسنِ بیان
دل کے ہر زخم کو بہار کیا

موت میت سمجھ کے چھوڑ گئی
یوں ترا جم کے انتظار کیا

ہم نے آخر جنونِ عصیاں میں
دامنِ تر بھی تار تار کیا

ان بہاروں نے پھول کیا سینچے
عندلیبوں کو سوگوار کیا

ہو لیا یہ بھی بے وفا کے سنگ
سوز کیوں دل کا اعتبار کیا

گلوں کو برق کو شمس و قمر کو دیکھتے ہیں
ہزار روپ میں حسنِ نظر کو دیکھتے ہیں

خبر یہی ہے کہ اک بے خبر کو دیکھتے ہیں
ہم ان کو اور وہ جانے کدھر کو دیکھتے ہیں

حرم میں پھر سے بتِ فتنہ گر کو دیکھتے ہیں
تجھے کبھی تری محرابِ در کو دیکھتے ہیں

جنوں میں جیسے ہم اپنے ہی سر کو دیکھتے ہیں
کچھ اس طرح سے ترے سنگِ در کو دیکھتے ہیں

نظر جب اُجڑے ہوئے کارواں پہ پڑتی ہے
کبھی فلک کو کبھی راہبر کو دیکھتے ہیں

وہ چھپ کے سب کی نظر سے اُدھر ہیں جلوہ فروش
یہ دل ہے دیکھنے والے جدھر کو دیکھتے ہیں

جب اپنے اُجڑے ہوئے آشیاں کی یاد آئے
قفس میں بکھرے ہوئے بال و پر کو دیکھتے ہیں

کسی کا روئے منوّر چھپا ہے زلفوں میں
کہ شب میں اُلجھی ہوئی اک سحر کو دیکھتے ہیں

جگر میں قطرۂ خوں تک نہیں رہا باقی
مگر گلاب سا جانِ جگر کو دیکھتے ہیں

نہالِ غم پہ خزاں کا گزر نہیں ہوتا
ہرا بھرا ہی سدا اس شجر کو دیکھتے ہیں

وہ سوز میرے تصور میں آ کے شب ہمہ شب
تماشائے دل و دیدۂ تر کو دیکھتے ہیں

دوستوں سے بھرا زمانہ تھا
دشمنوں کا کوئی ٹھکانہ تھا!

ہائے! ایام ابتدائے عشق
جیسے ٹھہرا ہوا زمانہ تھا

چاند تھا اور چاندنی راتیں
اور کچھ پیار کے سوا نہ تھا

سُن رہے تھے وہ حالِ دل ایسے
جیسے اک من گھڑت فسانہ تھا

برق سے پیشتر مرا ہمدم
آشیانہ ہی آشیانہ تھا

جب تلک سوز اس کے کام آئے
تب تلک آپ کا زمانہ تھا

آسمان سے کوئی تارا ٹوٹا
آپ سے رشتہ ہمارا ٹوٹا

موج ساحل سے ہوئی ہم آغوش
ایک طوفاں کا کنارا ٹوٹا

چل بسی رات ستارے نہ رہے
ہجر بختوں کا سہارا ٹوٹا

بیکراں بحر کا دل ٹوٹ گیا
کیوں سفینہ نہ ہمارا ٹوٹا

سوز نغمات کی برسات ہوئی
دل کوئی درد کا مارا ٹوٹا

نیند آئی نہ غم کے ماروں کو
نیند لو! آ چلی ستاروں کو

اپنی راتوں کی تیرگی کا سبب
کیسے ٹھہرائیں ماہ پاروں کو

پھول کھلتے ہیں جس عقیدت سے
اپنے پہلو میں لے کے خاروں کو

مسکراتے ہیں، اپنے دامن میں
ہم سمیٹے ہوئے شراروں کو

ناصح! کیا سبق سکھاتا ہے
ہم غمِ عاشقی کے ماروں کو

ہم تو طوفاں پہ جان دیتے ہیں
اور رونا ہے تو کناروں کو

کر گئیں باغ کو خزاں کے سپرد
کیا کہیں اب گئی بہاروں کو

اک مسلسل فریب سے چھوٹے
دل سے رخصت کیا سہاروں کو

گردشِ جام نے جلایا ہے
بارہا گردشوں کے ماروں کو

ہائے! وہ مستیٔ خرامِ ناز
نیند آنے لگی بہاروں کو

دل کی ویرانیاں کہاں لے جائیں
کیا کریں ان حسین نظاروں کو

تیری زلفوں کی تازگی دی ہے
لہلہایا ہے سبزہ زاروں کو

اِن کو اونچا کیا ہے تا بفلک
تاج بخشا ہے کوہساروں کو

تجھ کو "جانِ بہار" نام دیا
زندگی بخش دی بہاروں کو

اپنے اشکوں کے نور سے ہم نے
روشنی دی ہے چاند تاروں کو

کچھ سمندر کو وسعتِ دل دی
اور بخشا سکوں کناروں کو

کچھ ترنم دیا، روانی دی
آب جوؤں کو آبشاروں کو

ایک حسنِ غزل کی یادوں نے
سوز چھیڑا تھا دل کے تاروں کو

یاں تکبّر سے جتنے سر اُبھرے
بلبلے سطحِ آب پر ابھرے

وہ جو ڈوبے غمِ محبت میں
شاذ و نادر ہی عمر بھر ابھرے

بھر گئے منزلوں کی یاد آئی
بھر گئے دل میں ہمسفر اُبھرے

زلف بکھرے تو دھوپ ڈھل جائے
اور سنورے تو اک سحر اُبھرے

مرنے والے ڈرتے ہیں مرنے سے
جینے والے تو دار پر ابھرے

بحرِ ہستی کی تند موجوں میں
ہم جو ابھرے تو ڈوب کر ابھرے

سوزِ ہر شب ہماری پلکوں پر
کچھ ستارے تو عمر بھر ابھرے

یہ مرے ذوقِ نظر کے ہے منافی، ورنہ
جلوے خود میری نگاہوں پہ فدا ہو جائیں

جب یہ ارماں تھا کہ ہم اُنکی ادائیں دیکھیں
اب یہ حسرت ہے کہ خود اُنکی ادا ہو جائیں

ہم تو چُپ ہیں کہ رضا ہو تری پوری، ورنہ
ایک فریاد پہ سو حشر بپا ہو جائیں

نہ سہی میرے لئے اپنے ہی دل کے ہاتھوں
آپ ممکن ہے کہ مجبورِ وفا ہو جائیں

زندگانی کی یہ معراج ہے پا لیں اِس کو
آؤ اِک بار محبت میں فنا ہو جائیں

دل اپنا یادِ یار سے بیگانہ تو نہیں
گویا کہ خالی مے سے یہ پیمانہ تو نہیں

سنتا ہے میری بات تو نظریں ملا کے سن
یہ میرا حالِ زار ہے، افسانہ تو نہیں

ہنستے ہو مل کے دنیا سے کیا میرے حال پر
میں آپ کا دیوانہ ہوں، دیوانہ تو نہیں

اے شمع! تجھ کو جلنا ہے اب اسکی آگ میں
اک شعلہ تجھ سے لپٹا ہے پروانہ تو نہیں

دانستہ مجھ سے جاتا ہے غیروں کے سامنے
ورنہ وہ میرے حال سے بیگانہ تو نہیں

اے برق! تجھ کو دھوکا ہوا مجھ کو دیکھ کر
ظالم! قفس ہے یہ مرا کاشانہ تو نہیں

تسکینِ خُلقِ ساقی کو، پیتا ہوں میں شراب
میری نظر میں ساقی ہے، پیمانہ تو نہیں

پاسِ ادب ہے، کیا اُٹھے آنکھ اُسکے رُو برو
اس میں سوالِ جرأتِ رندانہ تو نہیں

جھکتے ہیں اُس کو ہر جگہ موجود پا کے سوزؔ
دل میں ہمارے کعبہ و بُت خانہ تو نہیں

کچھ حسین یادیں بھی ہیں دیدۂ نم کے ساتھ ساتھ
زندگی میں حُسن بھی گویا ہے غم کے ساتھ ساتھ

دل ترے ہمراہ جاتا ہے کہ پایا جاتا ہے
نقشِ دل میرا ترے نقشِ قدم کے ساتھ ساتھ

اُس کے سائے کی طرح دیکھا نہیں اُس سے جُدا
ہم نے نو یزداں کو پایا ہے صنم کے ساتھ ساتھ

تاکہ ہوں دونو کی لذت سے برابر مستفید
وہ کرم فرماتے رہتے ہیں ستم کے ساتھ ساتھ

سوزؔ اُن کی چاہ میں ہم نے سدا محسوس کی
ایک انجانی مسرت سوزِ غم کے ساتھ ساتھ

ساتھ آپ نہیں یاد مگر آپ کی تو ہے
کچھ میرے پاس زادِ رہِ زندگی تو ہے

پروانہ دادِ آمدِ اشعار دیکھنا
دل میں خیالِ یار کی شمع جلی تو ہے

شاید سحر سے پہلے ہی ہو جائے غم تمام
اک تیز ٹیس سینۂ دل میں اٹھی تو ہے

مانا کہ تم کرو گے وفا وعدۂ وصال
تم بے وفا نہیں ہو مگر زندگی تو ہے

جب تم چلے گئے تھے فضائیں اُداس تھیں
شاید تم آ رہے ہو کہ فطرت ہنسی تو ہے

جاتے ہوئے نہ دیکھ سکے گی مآلِ گُل
بادِ بہار سوز! چمن میں چلی تو ہے

چاندنی پگھلی ہوئی ہر ایک پیمانے میں ہے
روشنی ہی روشنی گویا کہ میخانے میں ہے

فصلِ گُل بھی آ گئی، اودی گھٹا بھی چھا گئی
عذر اب اے دوست! کیا تجھکو چلے آنے میں ہے؟

جا بجا ہے داستانِ گُل میں شبنم کا بیان
میرا افسانہ بھی شامل تیرے افسانے میں ہے

مرنے والوں ہی سے ہے اے زندگی! تیرا وقار
فصلِ گُل کی آبرو پھولوں کے مرجھانے میں ہے

ان بہاروں میں کبھی شاید ہی ان کو دیکھ پائیں
جن بہاروں کا تصوّر دل کے ویرانے میں ہے

دل کو بے چین کر گیا کوئی
حادثہ جوں گزر گیا کوئی

اے غمِ دوست تجھ کو مژدہ ہو
تیرے صدقے اٹھ گیا کوئی

چار دن اس سرائے میں رہ کر
کون جانے کدھر گیا کوئی

دل سے ماتم کی صدا آتی ہے
جیسے ارمان مر گیا کوئی

موت آتے ہی دم روانہ ہوا
شام ہوتے ہی گھر گیا کوئی

جوشِ گریہ تھا تو یوں جیسے
سوزؔ! دریا اُتر گیا کوئی

نہ مٹا خاکسار ہم جیسے
پھر کہاں وضع دار ہم جیسے

موسمِ گُل کی یادگار ہیں ہم
روندیے گا نہ خار ہم جیسے

ہو چکا انتظارِ شامِ وصال
جی چکے بے قرار ہم جیسے

ہم خزاں کے وہ پالے پوسے ہیں
لے تو آئے بہار ہم جیسے

تو بھی مٹ جائے گا اگر نہ رہے
اے غمِ روزگار! ہم جیسے

ڈرتا ہوں یوں بہار میں گُل کی ہنسی سے میں
واقف ہوں عندلیب کی دیوانگی سے میں

احباب سُن کے اپنے تمسخر پہ رو دیے
روداد کہہ رہا تھا کچھ اس سادگی سے میں

میں آشنائے مسلکِ دیر و حرم نہیں
پہنچا ہوں تیرے پاس رہِ عاشقی سے میں

یوں مطمئن ہیں دوست مجھے روتا دیکھ کر
جیسے کہ رو رہا ہوں خود اپنی خوشی سے میں

کرتا ہوں بار بار ترے روٹھنے کو یاد
بہلا رہا ہوں دل کو تری بے رُخی سے میں

سرشارئ ازل کی کبھی یاد نے پلائی
تمنگ آ کے پی گیا کبھی تشنہ لبی سے میں

دنیا یہی ہے عقبیٰ یہی ہے مرے لئے
جاؤں کہاں بتاؤ تمہاری گلی سے میں

اب سوز آنسوؤں کی وہ طغیانیاں کہاں
مانوس ہو چکا ہوں غمِ زندگی سے میں

ترکِ تعلقات میں کچھ زندگی تو ہو
جب دوستی نہیں ہے، روا دشمنی تو ہو

اے آتشِ فراق! شبِ غم ہے اور تیز!
دل جل رہا ہے اور جلے روشنی تو ہو

میرے نہ ہو سکے تو مرے دل کے ہو رہے
تم زندگی نہیں تو غمِ زندگی تو ہو

تو اور کیفِ بادۂ کوثر کا تذکرہ
زاہد وہ اس کی بات کرے جس نے پی تو ہو

ہر چند میں نے گائے ہیں گیت آپ ہی کے ہیں
گر میں نہیں عزیز، مری شاعری تو ہو

جب سے پردہ نشیں بن گیا ہے
اور بھی وہ حسیں بن گیا ہے

حسنِ سجدہ بنا آستانہ
شوقِ سجدہ جبیں بن گیا ہے

اپنی تقدیر اک جنبشِ لب
حرف 'ہاں' سے 'نہیں' بن گیا ہے

خوب ہیں دل چرانے کے انداز
میرے دل کا امیں بن گیا ہے

تیرے غم کی امانت تھا دم، حیف!
جو دمِ واپسیں بن گیا ہے

انقلابِ زمانہ تو دیکھو!
سوز گوشہ نشیں بن گیا ہے

صبا کی طرح آئے آ کر چلے
چمن میں گُلوں کو ہنسا کر چلے

محبت میں مٹ تو گئے۔ کم نصیب
مگر زندہ رسمِ وفا کر چلے

رہِ عشق کے راہرو جب چلے
غبار آپ اپنا اُڑا کر چلے

بگولوں کی مانند اس دشت میں
جہاں تک چلے سر اُٹھا کر چلے

بڑا سنگ دل ہے جہاں، تابہ کے
کوئی شیشۂ دل بچا کر چلے

رہے مثلِ شبنم گلستاں میں سوز
ہم آئے اور آنسو بہا کر چلے

اگر سنیے ہماری بات تو کھولیں زباں ہم بھی
بڑی دلچسپ نوعیت کی ہیں اک داستاں ہم بھی

جنابِ شیخ کا دیکھ آئے ہیں باغِ جناں ہم بھی
جوانی میں گئے تھے جانبِ کوئے بتاں ہم بھی

جلائیں گے تجھے رہ رہ کے اے برقِ تپاں ہم بھی
تری زد ہی میں رکھیں گے بنائے آشیاں ہم بھی

تمہارے پیچھے پیچھے ہیں رواں اے رفتگاں ہم بھی
ہیں سرگرمِ سفر مثلِ غبارِ کارواں ہم بھی

فلک یہ دورِ ازل سے لے رہا ہے امتحاں اپنا
مگر اس کے لئے کچھ کم نہیں ہیں امتحاں ہم بھی

شعاعِ مہر کے پڑتے تلک ہے ہستیِ شبنم
ہیں تیری اک نظر ہونے تلک اے مہرباں! ہم بھی

کہیں پھولوں، کہیں تاروں کہیں بھرس کی صورت میں
بکھیرے جا رہے ہیں طبع کی رنگینیاں ہم بھی

قفس کی تیلیوں میں پڑ گئی ہے سوزِ جاں ہم سے
کھلائے بیٹھے ہیں اک گلستان در گلستاں ہم بھی

چند ارماں جو دل میں پلتے ہیں
وہ بھی آنکھوں سے بہہ نکلتے ہیں

کون جانے کہ کتنے پروانے
شب کی تاریکیوں میں جلتے ہیں

کتنی مشکل سے صبح ہوتی ہے
کتنے تاروں کے دل پگھلتے ہیں

کتنی صبحوں کا خون ہوتا ہے
کتنے خورشید روز ڈھلتے ہیں

راہ سنسان، منزلیں ویران
کارواں تیز تیز چلتے ہیں

اہلِ دانش ہیں محوِ گردِ دوش
سر کھجاتے ہیں، ہاتھ ملتے ہیں

منتظر رہتے ہو محوِ ناکامی
کام دنیا کے ایسے چلتے ہیں؟

آپ جیسے ہیں، دوسرا نہ ہوا
کوئی عالم میں آپ سا نہ ہوا

فصلِ گُل میں، چمن ہی کیسا نہ ہوا
ایک غنچۂ دل ہی وا نہ ہوا

دردِ دل سے کبھی جدا نہ ہوا
کوئی ہمدرد درد سا نہ ہوا

زندگانی قفس، فنا صیاد
میں فنا ہو کے بھی رہا نہ ہوا

دل تو روزِ ازل سے تھا بے حال
تیرا ملنا تو اک بہانہ ہوا

سوز یوں روز اُن سے ملتے ہیں
جیسے بچھڑے ہوئے زمانہ ہوا

عکسِ جمال نے مجھے شاعر بنا دیا
تیرے خیال نے مجھے شاعر بنا دیا

ناکام آرزوئیں مرے کام آ گئیں
دل کے زوال نے مجھے شاعر بنا دیا

تسکین نہ پا سکا تو تلافی کے طور پر
شوقِ وصال نے مجھے شاعر بنا دیا

ضبطِ فغاں بعید دلِ ناتواں سے تھا
اس خستہ حال نے مجھے شاعر بنا دیا

اے سوز! میرے گیت اسے بھی سنائیو
جس کے خیال نے مجھے شاعر بنا دیا

قفس میں مشغول صبح و شام ہے
دل حریفِ گردشِ ایّام ہے

مجھ اسیرِ گُل کو کاشانہ قفس
مجھ حریصِ گُل کو گلشن دام ہے

چُپ ہے وہ روتے ہیں اب تیماردار
اب ترے بیمار کو آرام ہے

تجھ کو کھو کر بھی نہیں دل مانتا
کہ تجھے پانا خیالِ خام ہے

سوزؔ اب ملئے تو کیا احباب سے
اُن سے کیا کہیئے ہمیں کیا کام ہے!

کیسے اظہارِ مدعا کرتے
ہم نہ روتے تو اور کیا کرتے

کچھ تو جینے کا حوصلہ کرتے
کچھ تو مرنے کا حق ادا کرتے

دوست کیا کچھ نہیں کہا کرتے
دوست، کیا کچھ نہیں سُنا کرتے

تلخ باتوں کا کیا گلہ کرتے
سُن کے خاموش ہو رہا کرتے

اس کا اتنا صلہ بھی کیا کم ہے
کٹ گئی عمر اک، وفا کرتے

جب کوئی ہم پہ مہرباں ہوتا
آپ کو یاد کر لیا کرتے

جانے کس حال میں ہے دیوانہ
دوستو! سوزؔ کا پتہ کرتے

یوں بھی اب برقِ تپاں کو آزمانا چاہیئے
آشیانہ اک قفس میں بھی بنانا چاہیئے

کٹ گئی شب گریۂ شب بھول جانا چاہیئے
مسکرائی ہے سحر اب مسکرانا چاہیئے

اے اسیرانِ قفس! در احترامِ فصلِ گُل
کچھ بہکنا چاہیئے کچھ چہچہانا چاہیئے

کچھ تو کرنا چاہیئے بے تابیٔ دل کا علاج
آہ بھرنا چاہیئے آنسو بہانا چاہیئے

سوز! ابھی سی گھڑی ہے فصلِ گُل مینا بدوش
رُت بدلنا چاہیئے ساغر اُٹھانا چاہیئے

خوں گشتہ آرزوؤں کی اس یادگار کے
قرباں جائیے جگرِ داغ دار کے

پائے ہیں ہم نے خوب مزے انتظار کے
کنجِ قفس میں بیت گئے دن بہار کے

جیبِ بہار صورتِ گلہائے رنگا رنگ
جاگے نصیب پیرہنِ تار تار کے

وا مجھ سے ہو کے وصل میں کہنا تیرا وہ ہائے!
تنگ آگئے تقاضے سے ہم بار بار کے

مجبوریوں نے خاک میں اس کو ملا دیا
جد چے تھے آسمان پہ میرے اختیار کے

اب سوز کیا کسی کا کرے کوئی اعتبار
جب اعتبار کے نہ رہے اعتبار کے

منکشف تلخیٔ حالات نہ ہونے پائی
آپ آئے بھی تو کچھ بات نہ ہونے پائی

دل بھر آیا بھی تو آنکھوں سے نہ ٹپکے آنسو
ابر چھایا بھی تو برسات نہ ہونے پائی

آپ سے مل کے بھی اکثر یہی محسوس ہوا
آپ سے گویا ملاقات نہ ہونے پائی

ہم نے بجھتے ہوئے دیکھا تو ہے دل والوں کو
پر عیاں صورتِ حالات نہ ہونے پائی

سوزؔ ہر روز ہوئی رات مگر ہجر کی رات
وصل کی رات کوئی رات نہ ہونے پائی

بازیٔ عشق میں ناکام تو ہو جائیگی
زندگی واقفِ آلام تو ہو جائیگی

میرے مٹنے پہ غمِ دوست کہاں جائیگا
مطمئن گردشِ ایّام تو ہو جائیگی

ڈگمگانے پہ مجھے کون سہارا دیگا
آپ کی دید لبِ بام تو ہو جائیگی

ہم اسی آس پہ الفت میں مٹے جاتے ہیں
اس طرح رسمِ وفا عام تو ہو جائیگی

سوزؔ معلوم نہیں رات بسر ہو کہ نہ ہو
رونے رونے میں بسرِ شام تو ہو جائیگی

متفرق اشعار

حال اپنا ہی جو بیگانہ نہ ہو
بات کیوں اپنی نہ افسانہ ہو

تیری قربت میں بھی مجھ کو تیری فرقت کا خیال
وائے احساس! کہ مہجور بنا دیتا ہے

موت ہے تجھ کو بھلا دینے کا اک نام اے دوست
زندگی تیرے تصور کے سوا کچھ بھی نہیں

بڑی رونق ہے بزمِ دوستاں میں آج کل تاہم
کبھی محفل میں جا بیٹھے جو تنہائی کو جی چاہا

بیدرد زندگی کی تلخی سے تنگ آ کر
تیری طرح جہاں سے روپوش ہو گئے ہم

دروازۂ حرم پر دیں بار ہا صدائیں
مایوس ہو کے آخر خاموش ہو گئے ہم

یوں فنا کی گود میں کچھ غم کے مارے سو گئے
صبح کی آغوش میں جیسے ستارے سو گئے

اُن کو شاید ہو چکا تھا ہجر بختی کا یقین
شام ہوتے ہی غمِ فرقت کے مارے سو گئے

مجھ نو بہار پھول کو ٹہنی سے توڑ کر
گلچیں نے میری موت کو دلکش بنا دیا

دل کی دھڑکن کسی کی یاد سے تھی
ہم اسے زندگی سمجھ بیٹھے

روتے روتے گزری رات
جیسے بیت گئی برسات

یک گونہ بے خودی کے فسانے چلے گئے
مے سے علاجِ غم کے زمانے چلے گئے

یقیناً ترے غم کی انتہا ہے
کہ لب پہ آج دل کا مدعا ہے

لگی ہے دل کی جسے دل لگی سمجھتے ہیں
ستم ظریف جنوں کو ہنسی سمجھتے ہیں

دیارِ یار سے جانے کا وقت آ پہنچا
جنازہ اپنا اُٹھانے کا وقت آ پہنچا

آہ! اک ہمنوا نہیں ملتا
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ملتا

بہت مشکل ہے دل کے حال کا اظہار کیا کیجے
زباں کھلتی نہیں ہے روبروئے یار کیا کیجے

چاندنی رات کے سویرے میں
آ بھی جاؤ کہ جی نہیں لگتا

اس کا مفہوم چاہے کچھ بھی ہو
مسکراؤ کہ جی نہیں لگتا

انہیں بھی در حقیقت جستجو تھی ساقی و مے کی
خدا والے جو میخوار دل میں آجاتے تو کیا ہوتا

سب بندگی کے مرحلے آسان ہو گئے
ہم دیکھتے ہی آپ پہ قربان ہو گئے

وہ ستمگر سہی، پر سچ یوں ہے
ہم کو اپنے خلوص نے مارا

آ دوست! کہ تیری فرقت میں اک عمر کٹی تنہا تنہا
تاریکیٔ شب کو دل میں لیے یہ شمع جلی تنہا تنہا

اُٹھتا رہتا ہے دھواں سا جو بیاباں کے قریب
کوئی آباد ہے شاید دلِ ویراں کے قریب

دل ہے اور انجمن آرائی ہے
ہم ہیں اور گوشۂ تنہائی ہے

یوں تو پہلے بھی کوئی آس نہ تھی
زندگی اس قدر اداس نہ تھی

انہیں پھر بلانے کو جی چاہتا ہے
نظر آزمانے کو جی چاہتا ہے

تجھے دیکھتے ہی ترے اے ستمگر!
ستم بھول جانے کو جی چاہتا ہے

پھر آنے لگی یاد اس بے وفا کی
پھر آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے

ایک پل حسنِ غمِ یار نے سونے نہ دیا
ہم کو تو آمدِ اشعار نے سونے نہ دیا

اُف وہ تکرارِ شبِ وصل ترے جانے کی
رات بھر صبح کے آثار نے سونے نہ دیا

سوز ہر شب تھی شبِ وعدہ جاناں اپنی
اس کے ہر روز کے اقرار نے سونے نہ دیا

دیکھنے میں تو اسے کوئی بھی آزار نہیں
تیرا بیمار بظاہر کوئی بیمار نہیں

اُف یہ تنہائی کا احساس کہ ہم ہی ہم ہیں
در و دیوار بھی گویا در و دیوار نہیں

کیا سوزِ غم نواز بھی اے غم گزر گیا
آخر یہ آج کیوں ترا چہرہ اُتر گیا!

جو دل پہ بیت رہی ہے تری محبّت میں
کبھی نہ بیتی بڑی سے بڑی مصیبت میں

عشق عنواں ہے مری زیست کے افسانے کا
حسن انداز ہے افسانہ لکھے جانے کا

ہائے! وہ ہجر بخت جس نے تجھے
سامنے بیٹھ کر بھی یاد کیا!

اٹھائی دیکھنے کو جب کبھی اپنی نظر میں نے
تجھے موجود پا کر رکھ دیا قدموں پہ سر میں نے

قدم قدم پہ حسرتوں کے خار دیکھتا ہوں میں
پہنچ گیا ہے دشتِ غم میں کارواں حیات کا

جیسے بُلا رہا ہو کوئی مجھ کو پیار سے
آتی ہیں دل سے ایسی صدائیں کبھی کبھی

بسا اوقات آداب محبت بھول جاتا ہوں
تمہارا نام اکثر لب پہ بے باکانہ آتا ہے

رُخِ اسرارِ دو عالم سے اُٹھ جاتے ہیں سب پردے
کبھی جب وجد میں کوئی دِلِ دیوانہ آتا ہے

اپنے انعام کا شمار نہ کر
اور مجھ کو گناہ گار نہ کر

دل کو رنگین فریبوں سے بچا
اپنی آنکھوں کا اعتبار نہ کر

وقت کے ساتھ چلنے والوں کا
سوز بے وقت انتظار نہ کر

ہم شکستِ شیشۂ دل پر کسی کو کیا کہیں
ایک نازک چیز تھی اک ٹوٹنے کی چیز تھی

خوبصورت رہزنوں نے دل اگر لوٹا تو کیا
اک خزانہ تھا یقیناً لوٹنے کی چیز تھی

کون نسبت تھی آتش و خس میں
دل سے نقشِ صنم جدا نہ ہوا

موت آئی تو اہلِ غم سوئے
رات جاگے تھے صبح دم سوئے

آلِ تقویٰ و پرہیز افسانہ نظر آیا
اُدھر جب ہاتھ میں ساقی کے پیمانہ نظر آیا

چمن کچھ آرزو کا اس طرح اُجڑا بہاروں میں
مری حدِ نظر تک مجھ کو ویرانہ نظر آیا

ہیں گئے وقت کا اک عام سا افسانہ تھا
یاد آیا بھی تو کیا یاد نہ آیا بھی تو کیا

مری مستی وجنوں سے ہے شباب ومے میں مستی
وہ شراب کیا پیوں میں جو نشے میں مجھ سے کم ہو

گھمنڈ تیری محبت کے جیتنے کا نہیں
خدا نے دل ہی دیا تھا سو ہار بیٹھے ہیں

بڑی بے چین تھی تیری تمنّا
مرے سینے سے لگ کر سو گئی ہے

آتشِ غم میں سُلگتا رہا دل ہجر کی رات
آنکھ نے شمع کی مانند بہائے آنسو

جب سے اُس بت میں نظر آیا کوئی
اعتبارِ رنگ و بُو کرنے لگے!

مرے اشعار پڑھ کر جھومتے ہیں
نشاط انگیز ہے تحریر غم کی

وقت، رقص کرتا ہے، زندگی بدلتی ہے
آپ کے اشاروں پر کائنات چلتی ہے

نظامِ عالمِ ہستی بدل سکتے ہیں بادہ کش
فلک تھم جاتا ہے گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

موت رنگینیوں سے خالی ہے
زندگی جام میں ڈبو دیجئے!

شائد رہِ حیات میں تم آملو کہیں
لے دے کے اس امید پہ اب جی رہا ہوں میں

آپ نے میری محبّت کو ہوس سمجھا ہے
ایک تدبیر تھی بندے کو خدا کرنے کی!

دنیا والے تو دنیا والے تھے
آپ نے بھی نہ ہم کو پہچانا

وہ ہمیں کیا سکون بخشیں گے
جن کو آتا نہیں ہے تڑپانا

نا مکمل ہے فصلِ گل جب تک
آ نہ جائے گلوں کو شرمانا

بُرا ہوتا اگر ویرانۂ دل میں بہار آتی
بہاریں تو چلی جاتی ہیں ویرانی نہیں جاتی

برباد گھر میں ہوتا ہے کیا باد کے سوا
کچھ بھی نہیں ہے دل میں تیری یاد کے سوا

اٹھائے جا رہے ہیں بزم سے ہم
دلِ مشتاق بیٹھا جا رہا ہے

سنگدل ہو گیا زمانے میں غمگساروں کو ڈھونڈنے نکلے
زندگانی کے رہگزاروں میں ہم بہاروں کو ڈھونڈنے نکلے

رات تیرے خیال میں گزری صبح نے وہ طلسم توڑ دیا
پھر حقائق کی تیرگی میں ہم چاند تاروں کو ڈھونڈنے نکلے

پھر فسونِ حیات سے ناگاہ چونک اٹھے حیات تلخ ہوئی
پھر غمِ آگہی نے گھیر لیا پھر سہاروں کو ڈھونڈنے نکلے

میں وہ بلبل ہوں کہ ہر گل سے محبت ہے مجھے
میرے ہر نغمے کا اک رنگ جدا ہوتا ہے

طوفاں میں ناخدا سے مدد کیجئے طلب
کشتی میں بھی اک خیر سے طوفاں اٹھائیے

جنوں کو پاسِ ادب ہو تو یار ملتا ہے
طلب میں حسنِ طلب ہو تو یار ملتا ہے

کٹ جائے گی مسافتِ ہستی یہ لطفِ دوست
یاد اس کی اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں میں

ہم عشق کے بندوں کو کوئی کام نہ آیا
آیا تو وہی ایک جگر تھامنا آیا

میت سدا اٹھی کسی چیلے کے دوش پر
اے موت کبھی مجھ پہ تو الزام نہ آیا

آزاد فضاؤں کے تصور میں رہا گُم
میں آ کے تہہ دام تہہ دام نہ آیا

آگ لگ جائے گی دو عالم میں
جام کو احتیاط سے لیجے!

تیری جبیں پہ تو اک داغِ سجدہ ہے زاہد
ہمارا دل نہیں محراب کا نشاں ہے ایک!

وہ آئینہ کو دیکھ شرما گئے
انہیں آپ ہی سے حجاب آگیا

ہم نے دنیا سے دل لگا دیکھا
کج ادا پایا بے وفا دیکھا

قطعات

ہائے اک درد سے معمور ہے سینہ اپنا
اک تڑپنا ہی تڑپنا ہے یہ جینا اپنا
سوزؔ منجدھار میں کچھ ایسا پھنسا ہے آکر
ڈوبتا ہے نہ نکلتا ہے سفینہ اپنا

آج دل چاہتا ہے رونے کو
کیسے کیسے الم ڈبونے کو
کتنی باتوں کے ہو نہ سکنے پر
کتنی باتوں کے سوزؔ ہونے کو
